

مولانا شوکت علی، ارمر میاں

آہ! کھویا اک گوہر نایاب

گذشتہ ماہ بتاریخ ۲۶ فروری بروز بدھ بوقت ۳ بجے بحری میں بسبب جانکا مرض ایک عظیم ہستی، درویش صفت عالم دین، اسلامی افکار و نظریات کا ترجمان، مصنف، ادیب، شیخ الحدیث دیوبند ثانی (دارالعلوم حقانیہ)، مرد قلندر، بندہ کے استاد مربی، محسن، چراغ محفل، بحر عمیق و مرد شفیق حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب نے دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

ایک غزل خواں بلبل نے نہ صرف بندہ کو بلکہ ہزاروں محبین و سامعین کو گلستانِ آباد سے ایک ویراں بیابان پر چھوڑ دیا۔

آہ! ایک روشن شمع محفل یکا یک بجھ کر اپنے پروانوں کو تاریک اندھیروں میں چھوڑ دیا۔
بندہ خود کو تسلی دے تو کس طرح؟ اور کیسے یہ غم کسی سے شریک کر کے کم کر دے یا اسے فراموش کر کے

بھول جاوے؟
خیالک فی عینی و ذکرک فی فمی و مثواک فی قلبی فأین تغیب
اب ایک طرف بندہ کی علمی کمائیگی حد درجہ اور دوسری جانب سانحہ کبریٰ بھی حد درجہ اونٹ کی بار چیونٹی پر لا دکرانے کے مترادف ہے۔

تو بندہ، ناگفتہ حالت ہو کر اپنے استاد محترم فانی صاحب کی مناقب قلمبند کرنے پر تو قادر نہیں کیونکہ آپ کی شخصیت کئی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ بے بسی کے عالم میں بندہ آپ کے بارے اظہار عقیدت کیسے کرے؟
آپ کے حالات و یادداشتیں:

فانی صاحب نے اس چند روزہ زندگی کا آغاز امام المصطفیٰ صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم زروبوئی کے گھر میں آنکھ کھول کر کیا پھر دینی مرکز دارالعلوم حقانیہ سے اول تا آخر اور ۱۹۷۸ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔

مشہور ہم مکتب ساتھیوں میں سے حضرت مولانا مفتی شاہ جہان (حالا مفتی عرب امارات) شیخ القرآن مولانا قاضی فضل اللہ ایڈووکیٹ (حالا امریکہ)، شیخ الحدیث حضرت مولانا عزیز الدین صاحب ہریانہ بالا پشاور (شیخ الحدیث مدرسہ حمایت الاسلام غلجی پشاور) اور امیر جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اور خطیب اسلام مشہور مصنف و ادیب شیخ الحدیث مولانا عبد القوم حقانی صاحب شامل تھے۔

ذہانت و فطانت:

اللہ کریم نے آپکو انتہائی ذہانت بخشی تھی عہد طالب علمی میں نمایاں نمبروں پر فائز ہوتے رہے۔ اس بابت بندہ کو آپ نے روادار سنا تھا کہ میرے استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ نے میرے خوشنویسی اور درست جوابات دینے پر دادِ تحسین دیتے ہوئے اپنا شاگرد خاص بھی سمجھا۔ قدرت نے آپکو قوتِ حافظہ سے نوازا تھا اکثر تاریخی و ادبی شخصیات کے سوانح و کلیات کے حافظ تھے۔

شخصیت: آپ کی شخصیت علمی، ادبی، سیاسی اور تصنیفی موضوعات کی ایک سوغات تھی جو کہ نہ صرف بندہ بلکہ ایک جمعِ غفیر آپکے اندازِ گفتگو، سنجیدگی، طرزِ بیان، نشست و برخاست اور عملی تگ و دو سے مذکورہ صفات کی قائل تھی۔

علمیت: قطع نظر ایک علمی خاندان سے تعلق کی بناء پر آپ کی ذاتِ مبارکہ خود ایک نمونہ علم و فضل تھی بلکہ آپ ایک بحرِ بیکراں تھے۔ دارالعلوم حقانیہ جیسی بڑی علمی و عالمی درسگاہ میں آپ کی بچپن و لڑکپن سے ہوتے ہوئے ابھی تک درس و تدریس اور پھر بحیثیت شیخ الحدیث کے منصب پر مشرف ہو جانا آپ کی علمیت پر واضح دلیل ہے۔

عملی جہادی اور سیاسی زندگی: آپ نے اپنی کل صفاتِ علمیہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے زندگی گزاری یعنی تمام تر دینی شعبوں درس و تدریس، تصنیف، ادب و شاعری، سیاست، تصوف اور جہاد میں آپ عقیدہٴ مطہرہ کے آفتاب تھے اور غیروں کیخلاف طوفانِ بے تاب تھے درس و تدریس اور تصنیف میں دارالعلوم حقانیہ مرہونِ منت ہے۔ قلمی محاذ پر اسلام کے رکنِ عظیم جہاد کے سلسلے میں آپ امارتِ اسلامی کے صف میں انتہائی فخر کے ساتھ ڈٹ کر ساتھ دیتے رہے اور انکے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے چونکہ آپ سیر و سیاحت کے بے حد شوقین تھے تو آپکے واسطے بندہ کی بعض اہم رہنماؤں سے ملاقات و نشست نصیب ہوئی جہاد میں دارالعلوم حقانیہ کا کردار اور امارتِ اسلامیہ کی وہ مثالی سرگرمیاں ایسے انداز میں ہمیں سناتے جس سے ہماری ذہن و سوچ کو چونکا دیتے۔

علاوہ ازیں حب الوطنی میں اظہارِ جذبہٴ جہاد میں آپکے قلم کی زور تلواریں بھی زیادہ ثابت ہوئی اس وقت جب دشمن ملک بھارت نے ایٹمی دھماکے کر کے ناپاک جسارت کی تو آپ نے قلم اٹھا کر اخبارات کو ایک مضمون لکھا جس میں آپ نے چند ولولہ انگیز الفاظ تحریر فرمائے کہ! آج ہمارا ایک امتحانِ عشق حب الوطنی کا اور دوسرا صبر کا ہے اور استشہاد میں علامہ اقبال کا یہ شعر پیش کیا:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں
عقل محو تماشا کی لب بام ابھی

وہی کالم وزیرِ عظم و دانشور کی نظر سے لکھا گیا ہے جو ان کے ہوتے ہوئے کہا کہ ہم عشق و جذبہ

حب الوطنی کو ترجیح دیکر انتقام لیں گے۔

ویسا ہی مئی ۱۹۹۸ء میں وطن عزیز نے دشمن کو جواب دیا۔ پھر مزید فانی صاحبؒ نے قلم کو حرکت دیتے ہوئے ڈاکٹر قدیر کو خراج عقیدت کیلئے ایک جوشیلی نظم تحریر کر کے بھیج دی جو آج بھی دارالخلافہ اسلام آباد میں ڈاکٹر قدیر کے کمرے کی زینت بنی ہوئی۔

ادبی زندگی:

علمی فرائض انجام دہی کیساتھ ساتھ عہد طالب علمی سے آپ نے ادب و شاعری میں قدم رکھا جو رفتہ رفتہ ایک بڑے ادیب کی حیثیت سے شمع محفل بنے اگرچہ بوجہ اپنے تخلص ”فانی“ سے قومی و ملکی سطح پر مخفی تھے دوسرا یہ کہ قناعت گوشہ نشینی و فقیری آپ کو پسند تھی۔

مجالس:

من حیث المجموع آپ نجی زندگی میں ظاہری طور پر ایک سادہ مزاج اور سادہ لوح نظر آتے لیکن آپ کی عام اور ادبی مجالس میں حلاوت و تازگی اتنی رچی بسی تھی کہ ایک صوفی انسان بھی ہنس کر ترنگ میں آجاتا اور آپ کی غزل گوئی سے چمکانا شروع کر دیتا خود بندہ کو اس بارے میں مفتی نظام الدین شامزئی صاحبؒ کی روادار سناتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ! مفتی صاحب ایک موقع پر دارالعلوم آکر دروازے پر دستک دی۔ جب اندر آئے اور مجلس ہوئی جس میں آپ نے مفتی صاحب کو علامہ محمد اقبالؒ کے نظم اسیری سے چند اشعار سنائے تو مفتی صاحب ایک سنجیدہ شخصیت جذبے میں آکر ٹیک لگائے ہوئے تکیہ کو سامنے رکھا اور بے اختیار ہاتھوں سے ضربیں دیکرواہ واہ کہہ کر داد دیتے رہے۔

آپ کی درویشانہ مجلس میں سب کیلئے دروازہ کھلا رہتا اور آپ کا کلام سن کر غمزہ اور تھکے ہوئے اپنی تھکاوٹ کو ختم کرتا کیونکہ آپ کی شاعرانہ کلام معاشرتی زندگی کے کئی امور کا مجموعہ تھی مثلاً، زندگی کے درد و غم سے انباہ، طبع تسلی، غربت و افلاس، مظلوم کی آہ سے ڈرنا، فراقِ یار پر رونا، حقیقت زندگی و موت کا بیان، سچ گوئی و راست بازی کا سبق، اللہ کی کبریائی، رسول ﷺ و صحابہؓ کی عظمت، بچوں پر شفقت اور بڑوں کی ادب، امید سحر، احساس زندگانی، عشق کے رموز و اسرار اور شادی پر سرور کا اظہار وغیرہ۔

آپ چونکہ فی البدیہ شاعر تھے اور یہ کمال آپ بعض مواقع پر دکھاتے بھی جس میں آپ اوروں پر بازی لیکر داد تحسین وصول کر لیتے جیسا کہ آپ کے متعلق کسی نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ آپ کو خوشحال خان خٹک کے مزار پر ادبی تقریب کے سلسلے میں مدعو کیا گیا اور وہیں آپ کو ایک طرحہ دی گئی اور ساتھ ہی بارش بھی شروع ہو گئی تھی

طرحہ مصرعہ یہ تھا۔ ”اس لئے تصویر جاناں میں نے کھنچوائی نہیں“

تو آپ نے اس پر زبردست نظم عین موقع میں تیار کر کے سنائی اور سب کو منوایا وہ اشعار آپ کے اردو کلام ”نالہ زار“ میں موجود ہے۔

فانی کی فنا میں یادوں نے بندہ کو ستایا دردوں نے

ہائے! پورا ایک سال گزرا یادوں میں ایک اور یاد۔ ماہ مارچ ۲۰۱۳ء میں شام کے وقت بارش و بادل کے موسم میں جب بندہ دارالعلوم سے گھر جانے والا تھا اور معمول کے مطابق آپ سے اجازت مانگنے آپ کے پاس گیا تو آپ نے بندہ کو اپنے ساتھ کا کا صاحب روانہ کیا۔ ہم ان صحرائی راستے پر چلے جسکے دونوں طرف کیکرو گھاس وغیرہ پر بہار کا سبزہ زار بنا تھا اور بارش بھی خوب ہوئی تو بندہ نے آپ کو کہا کہ جی! یہ موسم آپ سے کچھ سنانے کا تقاضا کرتی ہے تو آپ نے پشتو میں ایک نملگین غزل جب شروع کیا تو بندہ نے کہا کہ جی! ترنم کے ساتھ تو آپ نے ترنم کیسا تھا یہ غزل سنائی۔

پاتی لا زارہ دی اوس پی نور میلمانہ شوی دی ستا دردونه بیاد زڑہ پہ کور میلمانہ شوی دی

دیگر شعراء سے وابستگی: باوجود اسکے کہ! آپ کا مشغلہ اصل درس و تدریس تھا لیکن دائرہ ادب میں مختلف اللسان شعراء سے آپ کی وابستگی تھی جس میں بقول آپ علامہ محمد اقبال آپکے پسندیدہ شخصیت تھی۔ خود بندہ کو اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ کسی نے مجھے کہا آپ کس طرح شاعر بنے اور آپ کی پسندیدہ شخصیت اس باب میں کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ! شاعری تو احساسات کا نام ہے میں ازلی شاعر ہوں اور میری پسندیدہ شخصیت اقبال ہے اور میں اس پر عاشق ہوں۔

آپ جب کسی شاعر کا کلام سناتے تو اپنی اعضاء و جوارح سے ایک عجیب انداز میں سامعین کے سامنے اس شاعر کی تصویر کھینچتے گویا کہ وہ شاعر خود سامنے بیٹھا ہوا اپنا کلام سناتے ہیں یعنی میر درد کا کلام سنانے میں آپ میر درد تھے غالب کا کلام سنانے میں آپ غالب تھے اسی طرح علامہ محمد اقبال، فیض احمد فیض، ساغر صدیقی، احمد فراز، طاہر کلاچوی، مولانا روم، عبدالرحمن بابا، پروین شاکر وغیرہ کے اشعار سے ان کے حالات، احساسات و کیفیات کی یاد تازہ کر دیتے۔

ان تمام شعراء کے کلاموں کو جدا جدا طرز و رنگ دیکر آپ کبھی ہاتھ پھیلاتے، کبھی سر ہلاتے اور کبھی ہونٹوں اور آنکھوں پر رونے کا اظہار فرما کر آبدیدہ ہو جاتے۔

بالخصوص علامہ اقبالؒ کے کلام ”پیر روی مرید ہندی“ اور احمد فراز کی کلام جس میں پردیسی اپنے ایک اہم وطن کو دیکھتے ہوئے اس سے پوچھتا ہے جسکا ابتدائی شعر یہ ہے؟

وہ دیس سے آئیو الے بتا وہ دیس ہمارا کیسا ہے سب دوست ہمیں پیارے ہیں مگر وہ جان سے پیارا کیسا ہے

رقت قلبی میں آپ نوح ثانی تھے ایک غم کی کہانی، زندان کا واقعہ، شہداء کی کرامات سنانے سے آپ پر رونے کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

شیخ نصیب خانؒ کی شب شہادت کے موقع پر آپ دھاڑے مار مار کر روئے اور رات گئی جب سحری کے وقت بندہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اپنے سخت بخار کی یہی وجہ غم بتائی۔

تواضع: ہر ایک کے ساتھ بے تکلفی آپ کی تواضع کی نشانی و ترجمانی تھی اور یہ کہ آپ نے تمام زندگی مہمانانِ خدا اور یارانِ مصطفیٰ طلباءِ کرام کے مابین مدرسے میں ایک چٹائی پر گزاری، مزین میزوں کی بجائے زمین پر دوست و احباب کیساتھ دسترخوان پر کھانا پسند فرماتے آپ کی بیٹھک فقط کتابوں کی الماری پر مزین ہے۔

ایک دن آپ کے مجلسی دوست و تلمیذ خاص قاری رحیم گل نے دوپہر کے کھانے کا بندوبست دارالعلوم میں آپ کے کمرہ نمبر ۳۵ میں کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں پر جو مزہ آیا وہ تاج محل ہوٹل میں بھی نہیں۔

بندہ کیساتھ جب گاؤں ارمر جایا کرتے تو دوست کی طرح آزادانہ اور بے تکلفی سے روانہ ہو جاتے اور تحدیث بالنعمت بندہ کے دارالرضیو کو اپنی جگہ سمجھتے اور فانی صاحب اسکی وجہ بھی بتاتے کہ پرانی جگہ پر مجھے نیند وغیرہ نہیں آتی لیکن حاجی صاحب آپ کے ہاں مجھے بڑی سہولت ہوتی ہے، آپ کی ہر یاد بھی بندہ کو ترپاتی ہے جب موسم بہار کے موقع پر آپ بندہ کے ساتھ ارمر کے صحراؤں میں گھومتے پھرتے اشعار سناتے۔

تصانیف میں آپ کے تقریباً (نصابی کتب کی شرحیں اور شاعرانہ) کی ذخیرہ موجود ہے۔ علاوہ ازیں سینکڑوں تقاریر، سہرے، مرثیے، کتبے آپ کے رشحاتِ قلم ہیں۔

پھر اتنی ہمت کہ! بسترِ علالت پر قلم و کتاب سے رشتہ جوڑے رکھا اتنی محنت و ذوق کی مثال زمانہ قریب میں نہیں ملتی۔

تصنیف و تحریر کی یہ گھٹی جو آپ کو اپنے استاد و مربی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے دی تھی تو ابھی تک غنودگی کے عالم میں بھی وہ آثار دکھاتے رہے اور یقیناً آپ کی یہ فن تصنیف فیض احمد فیض کے ان الفاظ کی مصداق ہے جو بندہ ہسپتال میں آپ کے ارشاد پر الماء کئے۔ فانی صاحب اس وقت موج میں آ کر یہ اشعار سنائے۔

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے

جو دل پر گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

تو آخری دم تک آپ نے اپنی تصنیفی خدمات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ہسپتال میں بھی ایک کتاب ”داستانِ دلکشا اور زمانِ ابتلاء“ لکھ کر اپنے مربی (مولانا سمیع الحق) صاحب کو فون پر بات چیت کے دوران

فرمایا کہ! آپ کے مطالعہ کے لئے ایک نیا علمی، ادبی، سوانحی سا تھی تخلیق کیا ہے۔

تو آپ نے اپنے استاد (مولانا سمیع الحق صاحب) پر ثابت کیا کہ! میں تو چلنے والا ہوں لیکن ایک یادگار ”داستان دلکش اور زمان ابتلاء“ چھوڑ کر آپ کی تربیت تصنیف پر آخری مہر لگاتا ہوں۔

مزاج گرامی: آپ کی طبیعت میں قخل، نرمی اور خوش اخلاقی کے اثرات موجود تھیں کسی سے ملنے پر دونوں ہاتھ ملا کر اسکی خیریت کے علاوہ گاؤں اور والدین کے بارے میں بھی خیریت پوچھ لیتے۔

بندہ کے ساتھ معمول یہ تھا کہ گاؤں سے روانہ ہو کر راستے میں آپ کو فون ضرور کرتا جب بھول جاتا تو پھر آپ گپ شپ میں شکوہ کرتے پھر واپسی میں بندہ آپ سے اجازت لیتا۔ جب بھول جاتا تو فون پر الوداع کہتے۔

اکثر اوقات آپ کے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں خوشی کی لہر تھی۔ خوش طبعی اور لطیفہ بازی کے دوران بندہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر تالی بجا لیتے اور ہنس کر ماحول کو سرور بخشتے۔ آپ کا آخری لطیفہ جو ڈاکٹر سید نے کڈنی سنٹر میں آپ کے پاؤں پر پٹی باندھتے تو آپ نے فرمایا: ”ڈاکٹر صاحب! آپ نے تو بار بار میرے پاؤں کی دستار بندی کی! آپ دارالعلوم میں داخلہ لیں کہ میں اس کے بدلے آپ کے سر کی دستار بندی کروں“

مسکراہٹ کی لکیریں جس نے تصویروں کو دیں

اس مصور کی جبین پر ہر شکن مضروب ہے

لیکن جب غضب و جلال میں آجاتے تو پھر کسی کو آپ کے سامنے آنکھیں جھپکنے کی طاقت نہ رہتی اور یہ الفاظ پشتو میں استعمال کرتے۔ پریگدہ سڑیہ زور ورئے

بندہ جب کسی کے بارے میں لاپرواہی کا ذکر کرتے تو آپ فرماتے یاسڑیہ دومرہ غم ئے مہء کوہ جب بندہ سفر کیلئے گاڑی کا بندوبست کرنے پر ذرا ٹھہر جاتے تو آپ بار بار فون کرتے اور انتظار آپ پر بہت دشوار گزر جاتی۔

تو اکثر میں دوڑتے ہوئے آپ کے پاس کوئی تور یہ وغیرہ پیش کر لیتا تو آپ چشم پوشی فرماتے۔ بندہ اگر آپ کی عادات و مناقب لکھنے کی کوشش کرے تو صفحات تو کیا کتابیں تصنیف ہو سکتی ہیں لیکن بندہ کے قلم اور ہاتھ میں اتنی سکت نہیں کہ مزید لکھے اللہ آپ کو اعلیٰ جنّتوں میں جگہ نصیب فرمائے اور سوگواران کو صبر دے۔ امین

اللهم اغفره ورحمه، وجعل الجنة مثواه

☆ ☆ ☆